

ترجمہ و تفسیر کلمات قصار امیر المومنین علی علیہ السلام

نام: علی کاظم

کد

1256310

مجتمع زبان و فرہنگ شناسی

کلمات قصار (۱)

کلمات قصار امیر المومنین علیہ السلام

قَال علی (علیہ السلام) :

كُنْ فِي الْفِتْنَةِ كَابْنِ اللَّبُونِ، لاَ ظَهْرٌ فَيُرْكَبَ، وَلاَ ضَرْعٌ فَيُحْلَبَ

1۔ الْفِتْنَة:

یہ کلمہ اصل میں "فتن" سے مشتق ہوا ہے۔ جس کے معنی سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر پگلا کر خالص سونے کو اشیائے اضافی سے الگ کرنے کے ہیں۔ (مفردات راغب/371)

اسی مناسبت سے یہ کلمہ ہر اس جگہ جہاں سختی، شدت، فشار اور مشکلات پائی جاتی ہو، استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصیبت، امتحان، عذاب، فریب اور شرک وغیرہ کے لئے بھی آیات اور روایات میں فتنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

2۔ ابْنِ اللَّبُونِ

یہ کلمہ در واقع دو کلمات "ابن" (بچہ) اور "لبون" (دودھ دینے والی اونٹنی) سے مرکب ہے۔

لہٰذا "ابن لبون" دودھ دینے والی اونٹنی کے اس بچے کو کہتے ہیں جو دو سال پورے ہونے کے بعد تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور وہ اس عمر میں نہ سواری کے لائق ہوتا ہے اور نہ اس کے تھن ہوتے ہیں کہ جن سے دودھ دوھا جائے۔

3۔ ظَهْرٌ: پیٹھ، پشت، کمر۔

4۔ يُرْكَب: "الرکب" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی سوار ہونا کے ہے۔

5۔ ضَرْعٌ: تھن، پستان۔

6۔ یُحْلَب: "الحلب" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی دودھ دوھنے کے ہے۔

حصہ دوم: ترجمہ

فتنے میں اونٹ کے اس دوسالہ بچے کی طرح ہو جاؤ کہ جس کی نہ پیٹھ پر سواری کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کے تھنوں سے دودھ دوہا جاسکتا ہے۔

حصہ سوم: شرح کلام

قرآن، نہج البلاغہ اور دیگر روایات واحادیث میں فتنہ کے مشتقات کے موارد استعمال کو ملاحظہ کرنے کے بعد ایک نکتہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر فتنہ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اول: یہ کہ فتنہ سے مراد وہ حوادث اور امور ہیں جو خداوند عالم کے حکیمانہ اور مدبرانہ نظام ھستی کا حصہ ہے۔ جسے آزمائش اور امتحان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

اسی لئے مولا (ع) اس قسم کے فتنوں سے پناہ چاہنے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ اس قسم کے فتنے درواقع سنن الہی ہیں۔ جن سے فرار ناممکن ہے۔آپ فرماتے ہیں:

"لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفِتْنَةِ ۔ لِأَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلَى فِتْنَةٍ ۔ وَلَكِنْ مَنِ اسْتَعَاذَ فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ... سُورَةٌ

"تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ "اے اللہ! میں تجھ سے فتنہ وآزمائش سے پناہ چاہتا ہوں" اس لئے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو فتنہ کی لپیٹ میں نہ ہو، بلکہ جو پناہ مانگے وہ گمراہ کرنے والے فتنوں سے پناہ مانگے۔۔" (کلمات قصار: 93)

دوم: وہ حوادث واتفاقات جو مختلف معاشروں میں کبھی کبھی حق و باطل کو باہم مخلوط کرنے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ اور ان حوادث کو وجود میں لانے والے اس طرح سے نقشہ کھینچتے ہیں کہ عام لوگوں کے لئے حق و باطل کی تشخیص مشکل ہو جائے۔ اور اس غبار آلود ماحول کو اپنی نفسانی خواہشات کا جولانگاہ بنادے، اس طرح بہت سارے انسان ان کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لہٰذاامام عالی مقام (ع) اسی قسم کے فتنے کے بارے میں خطبہ 50 میں یوں فرماتے ہیں:

"انَّمَا بَدْءُ وُقُوعِ الْفِتَنِ أَهْوَاءٌ تُتَّبَعُ وَ أَحْكَامٌ تُبْتَدَعُ يُخَالَفُ فِيهَا كِتَابُ اللهِ وَ يَتَوَلَّى عَلَيْهَا رِجَالٌ رِجَالًا عَلَى غَيْرِ دِينِ اللهِ فَلَوْ أَنَّ الْبَاطِلَ خَلَصَ مِنْ مِزَاجِ الْحَقِّ لَمْ يَخْفَ عَلَى الْمُرْتَادِينَ وَ لَوْ أَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ مِنْ لَبْسِ الْبَاطِلِ انْقَطَعَتْ عَنْهُ أَلْسُنُ الْمُعَانِدِينَ وَ لَكِنْ يُؤْخَذُ مِنْ هَذَا ضِغْثٌ وَ مِنْ هَذَا ضِغْثٌ فَيُمْزَجَانِ فَهُنَالِكَ يَسْتَوْلِي الشَّيْطَانُ عَلَى أَوْلِيَائِهِ وَ يَنْجُو الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَ اللهِ الْحُسْنى. سُورَةُ

" فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ نفسانی خواہشات ہوتی ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ نئے ایجاد کردہ احکام کو جن میں قرآن کی مخالفت کی جاتی ہے اور جنہیں فروغ دینے کے لئے کچھ لوگ دین الہی کے خلاف باہم ایک دوسرے کے مددگار ہو جاتے ہیں تو اگر باطل حق کی آمیزش سے خالی ہوتا، تو ڈھونڈنے والوں سے پوشیدہ نہ رہتا۔ اور اگر حق باطل کے شائبہ سے پاک وصاف سامنے آتا، تو عناد رکھنے والی زبانیں بھی بند ہو جاتیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ ادھر سے لیا جاتا ہے اور کچھ ادھر سے اور دونوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر شیطان اپنے دوستوں پر چھا جاتا ہے اور صرف وہی لوگ بچے رہتے ہیں جن کے لیے توفیقات الہی اور عنایت خداوندی پہلے سے موجود ہو۔"

مذکورہ کلام میں فتنہ سے مراد

فتنہ کے مجموعی دو قسموں کو بیان کرنے کے بعد اب ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مولا کے اس کلام میں فتنہ سے کیا مراد ہے؟

مذکورہ کلام میں غور وفکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کلام میں فتنے سے مراد یقینا فتنے کا دوسرا معنی ہے۔ یعنی وہ حوادث اور اتفاقات ہیں جو حق و باطل کو باہم مخلوط کرنے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔

اور چونکہ فتنے میں ہمیشہ دو طرف یا دو گروہ ہوتے ہیں اس لئے فتنہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ یا دونوں طرف اہل باطل ہیں۔

2۔ یا ایک اہل حق اور دوسرا اہل باطل۔

دو باطل قوتیں

ہر وہ اختلاف جہاں دونوں طرف اہل باطل ہوں فتنہ نہیں کہلاتا۔ بلکہ دو اہل باطل گروہوں کے اختلاف کو فتنہ اس وقت کہہ سکتے ہیں جب یہ دونوں گروہ یا ان میں سے ایک لوگوں سے حمایت حاصل کرنے کے لئے یا کسی اور وجہ سے اپنی اصلیت کو لوگوں سے چھپائے اور حق کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آئے۔ کہ اس طرح عوام کو دھوکہ دے سکیں۔ تو ایسی صورتحال کو فتنہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں اہل باطل نے حق کا نقاب اوڑھا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام کے لئے باطل کی شناخت مشکل ہو گئی ہے۔

حق و باطل قوتیں

اسی طرح ہر حق و باطل کے اختلاف اور لڑائی کو بھی فتنہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ حق و باطل کی لڑائی اور اختلاف کو اس وقت فتنہ کہا جائے گا جہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھے اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خود کو اہل حق دکھانے کی کوشش کرے۔ کہ جس طرح لوگوں کے لئے حق و باطل کی شناخت مشکل ہو جائے۔ تو یہ فتنہ کہلائے گا۔ ورنہ اگر حق اور باطل دونوں گروہ کی حقیقت اور اصلیت لوگوں پر واضح ہو اور باطل اپنے اصلی چہرے کے ساتھ میدان میں آئے تو اسے فتنہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔

اور بات بھی واضح رہے کہ فتنہ کی کوئی ایسی صورت کا تصور ممکن نہیں ہے جس میں دونوں طرف اہل حق ہوں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ دو گروہ آپس میں اختلاف کریں اور ہر ایک کا دعوا ہو کہ ہم حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان میں سے فقط ایک حق بجانب ہو سکتا ہے دونوں نہیں۔

فتنہ میں ہماری ذمہ داری:

جیسا کہ مولا امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ فتنے کی پہلی صورت (آزمائش) سے تمہاری جان نہیں چھوٹ سکتی، پس اس سے بچنے کے لیے خدا کی درگاہ میں پناہ مت مانگو بلکہ فتنے کی گمراہیوں اور اس کے خطرات سے بچنے کے لیے خدا کی درگاہ میں پناہ مانگو.

لہٰذا فتنے کی پہلی قسم سے تو ہماری جان نہیں چھوٹ سکتی لیکن ممکن ہے فتنے کی دوسری قسم کا بھی ہمیں سامنا کرنا پڑے ایسی صورت میں بھی فتنے سے فرار ممکن نہیں ہے.

تو ایسی صورتحال کا سامنا کرنے کی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ اس ذمہ داری کو سمجھنے کے لیے ہمیں امام کے اپنے فرامین کی طرف رجوع کرنا پڑے گا.

فتنے سے متعلق امام کے تمام کلمات کا مشاہدہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ہم پر تین ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں.

۱۔ گفتگو اور تبیین کے ذریعے اہل فتنہ کو فتنہ و آشوب سے ہاتھ اٹھانے کی ترغیب کرے. پھر بھی ہٹ دھرمی دکھائے اور سیدھا راستہ اختیار نہ کرے تو ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے. جس کی وضاحت آگے کرینگے. جیسا کہ امیر المومنین نے خوارج کے فتنے میں پہلے انھیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کی فتنہ گری حد سے بڑھ گئی تو آپ نے پھر سخت ایکشن لینے کا فیصلہ کیا.

۲۔ جب سمجھانے اور روشن گری کی کوشش ان فتنہ گروں پر کوئی اثر نہ کرے تو پھر دوسرے مرحلے میں ان فتنہ گروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ایک مومن کی ذمہ داری ہے.

نہ خود فتنے میں گرفتار ہو جائے اور نہ ہی فتنہ دیکھ کر اپنا دامن بچاتے ہوئے گوشہ نشین ہو جائے. بلکہ کھل کر فتنہ اور اہل فتنہ کا مقابلہ کرنا ایک مومن انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے.

اسی لئے امیر المومنین نے فتنے کا مقابلہ کرنے کا یوں دستور دیا:

أَيُّهَا النَّاسُ شُقُّوا أَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ ...

"نجات کی کشتی سے فتنے کی موجوں کو چیر پھاڑو۔۔۔" (خطبہ: 5)

۳۔ اگر کبھی انسان فتنے میں اسطرح گرفتار ہو جائے کہ اسے حق اور باطل کی تمیز کرنا ناممکن ہو کر رہ جائے اور سرگردانی کا شکار ہو جائے تو کم ترین کام جو انسان کو کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ فتنے کو سہارا دینے والوں، مدد کرنے والوں اور اہل فتنہ کے ہاتھوں استعمال ہونے والوں میں خود کو شامل نہ کریں. لہٰذا آپ نے فرمایا کہ اگر تم فتنے کے موجوں کو چیرتے ہوے قلب فتنہ سے حق کو کی نورانیت کو اجالا نہیں کر سکتے ہو تو کم از کم باطل اور اہل فتنہ کے لیے سواری دینے والے اور مدد کرنے والے مت بنو.

فرمایا:

" فتنے میں اونٹ کے اس دو سالہ بچے کی طرح ہو جاؤ کہ جس کی نہ پیٹھ پر سواری کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کے تھنوں سے دودھ دوہا جاسکتا ہے۔"

تو کم سے کم تمہارا کردار اونٹ کے اس بچے جیسا ہونا چاہئے جو دو سال پورا کرنے کے بعد تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو کہ نہ اہل باطل تم پر سوار ہو کر اپنے مقاصد حاصل کر سکیں اور نہ ہی تمہاری جان و مال اور شخصیت سے فتنہ گری میں استفادہ کر سکیں.

ایک جگہ آپ نے اسی کردار کی مثال دیتے ہوئے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جنہوں نے فتنوں میں آپ کو تنہا چھوڑا اور آپ کے دشمنوں اور فتنہ گروں کا بھی ساتھ نہیں دیا.

خَذَلُوا الْحَقَّ، وَلَمْ يَنْصُرُوا الْبَاطِلَ.

"انہوں نے کو تنہا چھوڑا اور باطل کی بھی مدد نہیں کی۔" (کلمات قصار: 18)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے کوئی اچھا کام کیا، نہیں۔ بلکہ حیران و سر گردان ہونے کی صورت میں کم ترین کام یہ ہے کہ گوشہ نشین ہو جائے ورنہ پوری کوشش کرنی چاہیے کہ تحقیق و جستجو کے ذریعے حق و باطل کی شناخت حاصل کرے اور پوری قدرت کے ساتھ حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کرے.

فتنہ سے مقابلے کی راہیں:

کسی بھی معاشرے میں جب فتنے کے آثار نمایاں ہونے لگے تو جو مرحلہ وار انسان کی ذمہ داری بنتی ہیں، پچھلے صفحات میں ہم نے ان کی مختصر وضاحت پیش کرنے کی کوشش کیں۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

اولا: فتنہ کے نطفے کو آغاز ہی میں افہام و تفہیم، روشن گری و تبیین کے ذریعے ختم کردے۔

ثانیا: فتنہ گروں کی ہدایت ممکن نہ ہو اور وہ اپنے فتنہ انگیزیوں سے باز نہ آئے تو سینہ تان کر فتنے کا مقابلہ کرے اور اسے کو نابود کرے۔

ثالثا: اگر انسان شک و تردید، حیرت و سرگردانی اور عدم بصیرت کی وجہ سے فتنے کا مقابلہ نہ کر سکنے کی صورت میں کم از کم اہل فتنہ کے ہاتھوں باطل کے پھیلاؤ میں استعمال نہ یو جائے، اور عزلت و گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرے۔

اب جو لوگ فتنے کو ابتدا ہی میں دفع کرنا چاہتے ہیں یعنی فتنہ کا نطفہ منعقد ہی ہونے نہیں دینا چاہتے ہیں یا پھر وقوع یافتہ فتنے کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیرتے ہوئے امت کو نت نئے فتنوں کی دھل دھل سے نجات دلانے چاہتے ہیں۔ تو ان کے لئے مولائے متقین نے کچھ راہ و اصول بیان فرمایا ہے، جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انسان نہ فقط خود

نجات کی ساحل تک پہ پہنچ سکتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی مسیحا کا کردار ادا کر سکتا ہے۔

فتنہ سے مقابلے کی راہیں:

1۔ دین کی صحیح شناخت

اہل فتنہ ہمیشہ دین کے ظاہری احکام کا سہارا لے کر لوگوں کو منحرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے باطل کو چھپانے کے لئے دینی اقدار اور امور کے ظاہر کا استفادہ کرتے ہیں، بالفاظ دیگر دینداری کا لبادہ اوڑھ کر ہی یہ اہل باطل سادہ لوح دینداری کو شکار کرتے ہیں۔ اگر لوگوں کو دین کی حقیقت کا درست ادراک ہو اور وہ دین کی اصلیت کو جانتے ہوں تو فتنہ گروں کے لئے ایسے لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے سامنے فتنہ گر باطل کو حق کی پالش کر کے دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ دین کی حقیقت اور اصلیت سے آشنا ہے، تو اس کے لئے اصل اور نقل کی پہچان میں مشکل پیش نہیں آتی۔

دین کی صحیح شناخت اور علم نہ ہونے کی وجہ سے فتنے کا شکار ہو کر گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں گرنے والوں کی ایک مثال خوارج کی ہے کہ انہیں کلمہ "لاحکم إلا لله" کا مفہوم سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے اور اسلام کا نظام حکومت سے جاہل ہونے کی وجہ سے علی ابن ابی طالب (ع) جیسی عظیم شخصیت کے کفر کا فتوی لگاتے ہوئے آپ سے برسرپیکار ہوئے۔

امیر المومنین علی (ع) خوارج کی دین سے ناواقفیت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

كَلِمَةُ حَقٍّ يُرادُ بِها باطِلٌ. نَعَمْ اِنَّهُ لاحُكْمَ اِلاّلِلّهِ، وَلكِنْ هؤُلاءِ يَقُولُونَ: لا اِمْرَةَ اِلاّلِلّهِ. وَاِنَّهُ لابُدَّ لِلنّاسِ مِنْ اَمير، بَرٍّاَوْ فاجِر،

"یہ جملہ (لا حکم إلا للہ) تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں، وہ غلط ہے۔ ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ لوگوں کے حاکم کا ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا برا (اگر اچھا ہو گا تو) مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا۔ (برا ہو گا تو) کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہو گا۔" (خطبہ: 40)

پس اگر خوارج کی جماعت دین کا صحیح شناخت رکھتے اور انہیں اسلام کا نظام حکومت سمجھ میں آگئی ہوتی تو کچھ فتنہ گروں کے دھوکے میں نہ آتے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کو اپنی طاقت ان عقل سے پیدل لوگوں کے فتنہ و آشوب کو سرکوب کرنے میں صرف کرنا نہیں پڑتی۔ بلکہ اسلام عادلانہ نظام کو مزید گسترش دینے کا موقع ملتا۔

2۔ بصیرت

عموماً فتنہ پھیلانے والے لوگ عوام کی جہالت اور نادانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کو فتنہ وآشوب کے حامی بناتے ہیں اور لوگوں کے اسی جہالت سے اپنا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لوگوں کی سادگی، جہالت اور غفلت کو غنیمت جان کر حق و باطل کو ملا کر ایسی صورتحال کا انہیں شکار کرتے ہیں کہ آسانی سے حق اور باطل میں شناخت نہ کر سکیں۔ بلکہ ایسی صورت حال میں ہی بصیرت اور آگاہی نہ رکھنے والے لوگ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اور دشمن بھی اسی حالت سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

لہٰذا فتنے سے مقابلے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں آگاہی اور بصیرت ہو۔ یہ آگاہی و بصیرت ہے جو لوگوں کو فتنے کی گمراہیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ رہبر معظم انقلاب اسلامی بھی بصیرت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بصیرت وہ مشعل ہے جو تاریکیوں میں راستہ دکھاتی ہے، یہ ایسا قطب ہے جو غبار میں ڈھکے ہوئے بیابان میں صحیح ہدف اور سمت کا تعین کرتا ہے۔"

امیر المومنین علیہ السلام بھی ایک خطبے میں شبہات اور پریشان کر دینے والے فتنوں سے نکلنے کا راستہ یقین، علم، اور بصیرت کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاِنَّما سُمِّيَتِ الشُّبْهَةُ شُبْهَةً لِاَنَّها تُشْبِهُ الْحَقَّ. فَاَمّا اَوْلِياءُ اللّٰهِ فَضِياؤُهُمْ فيهَا الْيَقينُ، وَ دَليلُهُمْ سَمْتُ الْهُدى.

"شبہ کو شبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حق سے شباہت رکھتا ہے, تو جو دوستانِ خدا ہوتے ہیں, ان کے لیے شبہات (کے اندھیروں) میں یقین اُجالے کا اور ہدایت کی سمت رہنما کا کام دیتی ہے." (خطبہ: 38

3۔ راہی خط ولایت

فتنہ وآشوب کی گمراہیوں سے نکلنے کا ایک راستہ اہل بیت علیہم السلام کی ولایت اور اطاعت کے دائرے میں داخل ہونا ہے۔ کیونکہ کئی روایات میں ان شخصیات کو ہی نجات کی کشتی قرار دیا گیا ہے۔ خود امیر المومنین علی علیہ السلام کئی جگہ فرماتے ہیں کہ اگر گمراہیوں سے نجات چاہتے ہو تو ہم ہیں جو نجات دلائے۔

بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَاءِ، وَ تَسَنَّمْتُمُ الْعَلْيَاءَ، وَبِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ السَّرَارِ.

" ہماری وجہ سے تم نے (گمراہی) کی تاریکیوں میں ہدایت کی روشنی پائی اور رفعت و بلندی کی چوٹیوں پر قدم رکھا، اور ہمارے سبب سے اندھیری راتوں کی ظلمتوں سے صبح (ھدایت) کے اجالوں میں آگئے" (خطبہ: 4)

اور آپ نے سقیفہ کے حادثے کے بعد ابوسفیان کی فتنہ انگیز خیالات کا جواب دیتے ہوئے بھی یہی فرمایا تھا کہ اس فتنے کے دور میں بھی علی (ع) اور علی (ع) جیسی شخصیات ہی امت کو فتنے کی موجوں سے نجات دلا سکتی ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ، شُقُّوا أَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ...

" ایہاالناس! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیرتے کر نکل جاؤ اور منافرت (اختلافات) کے راستوں سے الگ رہو۔ باہمی فخر و مباہات کے تاج اتار دو۔" (خطبہ: 5)

الف۔ طمع ولالچ

ب۔ حاجتوں کا برملا اظہار۔

ج۔ زبان کی آزادی

*زبان کی آزادی:

اگر زبان کا استعمال درست نہ ہو تو انسان دنیا میں بھی مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب الہی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ لہذا مولا نے ایک جگہ ارشاد فرمایا "زبان درندہ ہے اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو کاٹے گی۔"

زبان کو آزاد چھوڑنے کے بہت سارے نقصانات ہیں ان میں سے فقط دو کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1۔ کثرت خطا:

انسان جتنا زیادہ بولتا ہے اتنا ہی اس کی خطائیں زیادہ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ مولا فرماتے ہیں: "جس کی باتیں زیادہ ہو، اس کی خطائیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔" لہذا ضرورت سے زیادہ نہیں بولنا چاہئے اور سوچ سمجھ کر بولنا چاہئے۔

2۔ لوگوں کا فرار:

جو انسان حد سے زیادہ بولتا رہتا ہے اور کبھی خاموش رہنے اور دوسروں کو بھی بولنے کا موقع دینے کی عادت نہیں رکھتا، ایسے افراد کو دیکھتے ہی لوگ فرار کرتے ہیں اور اس سے چھپ چھپ کر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام فرماتے ہیں: "زیادہ باتیں کرنے کی عادت دوستوں کو تھکا دیتی ہیں"

پس ہر بات کو بولنے سے پہلے سوچ کر اور تول کر بولنا چاہئے۔ کیونکہ غور فکر کے ساتھ بولنے والے سے خطائیں کمتر ہوتی ہیں۔ اور سوچ سمجھ کر بولنا عقل کے کمال کی علامت ہے۔ مولا ایک جگہ فرماتے ہیں:

"جب عقل کامل ہوتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں: "عاقل کی زبان دل کے پیچھے ہے اور احمق کا دل زبان کے پیچھے ہے۔"

پس انسان اپنی زبان کو کنٹرول کرے تو وہ بہت ساری خطاؤں اور مشکلات سے سالم رہ سکتا ہے حتی کہ امام نے مومن کی نجات کو زبان کی حفاظت اور کنٹرول میں قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"مومن کی نجات زبان کی حفاظت میں ہے۔"

ترجمہ و تفسیر کلمات قصار نمبر ۲

قال امیر المومنین:

أَزْرَىٰ بِنَفْسِهِ مَنِ اسْتَشْعَرَ الطَّمَعَ وَرَضِيَ بِالذُّلِّ مَنْ كَشَفَ عَنْ ضُرِّهِ وَهَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ مَنْ أَمَّرَ عَلَيْهَا لِسَانَهُ

حصہ اول: شرح الفاظ

1۔ أَزْرَىٰ: پست کیا، ذلیل کیا، خوار کیا۔

2۔ اسْتَشْعَرَ: لازم قرار دیا، شعار بنایا۔

3۔ الطَّمَعَ:	حرص، طمع، لالچ۔

4۔ رَضِیَ:	راضی ہو گیا، مان لیا۔

5۔ الذُّلِ:	ذلت، خواری، پستی۔

6۔ کَشَفَ:	واضح کیا، آشکار کیا، اظہار کیا۔

7۔ ضُرِّ:	پریشانی، حاجت، ضرورت، مشکل۔

8۔ هَانَت:	ذلیل ہوا، پست ہوا، بے حیثیت ہوا۔

9۔ اَمَّرَ:	حکمران قرار دیا، حاکم بنایا۔

10۔ لِسان:	زبان، بولنے کا وسیلہ اور عضو۔

حصہ دوم: ترجمہ

جس نے طمع کو اپنا شعار بنایا، اس نے اپنے کو پست کیا۔ اور جس نے اپنی پریشانی (حاجت، ضرورت) کو آشکار کیا، وہ ذلت و خواری پر راضی ہو گیا۔ اور جس نے اپنی زبان کو خود پر حاکم بنایا، اس نے خود کو پست کیا۔

حصہ سوم: شرح کلام

مولا امیر المومنین (ع) اس کلام میں انسان کے تین برے صفات کے منفی آثار کی طرف اشارہ فرما رہے رہیں۔ کہ یہ تینوں صفات ایک مشترکہ منفی صفت کے حامل ہیں۔ اور وہ اثر عزت نفس کا ختم ہونا ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی عزت و آبرو ختم ہونے اور ذلت و رسوائی کا شکار ہونے کے تین عوامل ہیں۔

الف۔ طمع و لالچ

ب۔ حاجتوں کا برملا اظہار۔

ج۔ زبان کی آزادی۔

الف) طمع اور لالچ کے منفی اثرات :

بہت ساری بری صفات کی طرح طمع بھی انسان کی شخصیت میں بہت برے اثرات چھوڑتا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

1۔ عزت نفس کا زوال :

طمع رکھنے والا انسان در واقع اپنی شخصیت اور نفس کو ذلت و پستی کی وادی میں دھکیل رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ طمع انسان کی آنکھوں پر پردہ اور عقل پر تالا لگا دیتا ہے۔ اور اگر انسان آنکھ اور عقل دونوں سے اندھا ہو جائے تو ہر وہ کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے جو انسان کو بے عزت اور بے آبرو بنا دے۔

لہٰذا مولا نے فرمایا: "جس نے طمع کو اپنا شعار بنایا اس نے اپنے آپ کو پست و ذلیل کر دیا" اور دوسری جگہ فرمایا: "طمع کا پھل دنیا و آخرت دونوں کی ذلت ہے"

2۔ عقل کا زوال :

طمع اور لالچ کا پردہ انسان کے قلب پر پڑ جاتا ہے تو پھر وہ غور و فکر اور تعقل و تفکر کے قابل نہیں رہتا لہٰذا مولا نے ایک اور جگہ فرمایا: "عقلوں کی اکثر قتلگاہ لالچ کی بجلیوں تلے ہے۔"

3۔ علم و حکمت کا زوال:

جب انسان کے پاس عقل ہی نہ رہے تو علم و حکمت تو یقینا نہیں رہ سکتی۔ پس طمع و لالچ رکھنے والے انسان کی فقط عقل زائل نہیں ہوتی، بلکہ ساتھ ہی ساتھ علم و حکمت اور دانش معرفت بھی خیر باد کہہ جاتی ہیں۔ مولا اسی مطلب کو یوں بیان فرماتے ہیں:
"طمع دانشمندوں اور علماء کے دلوں سے علم و حکمت کو بھگا دیتا ہے۔"

4 ۔ دین کا زوال:

جب انسان کے پاس عزت نفس نہ رہے، عقل نہ رہے اور علم و حکمت بھی نہ رہے تو دین بھی نہیں رہتا اور طمع رکھنے والا انسان دین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں جس چیز کی لالچ بیٹھ گئی ہے اس کے لئے اسی شیئ کا حصول مقصد بن گیا ہے، اس کا حصول صحیح ہو یا غلط اس کی نظر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی لئے وہ اپنی راہ میں حائل ہونے والے ہر رکاوٹ کو پھلانگ کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چاہے اس کے سامنے کی رکاوٹ اس کی عقل ہو یا علم ہو یا دین۔ یہاں تک کہ وہ اپنی عزت نفس کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ امام صادق سے جب پوچھا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے انسان دین سے خارج ہوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: طمع و لالچ۔

ب) حاجتوں کا برملا اظہار:

عموما اعلی ظرفیت کے مالک افراد، چاہے کتنی ہی مشکلات اور مجبوریوں کا شکار ہو جائیں کبھی اپنی مشکلات کسی دوسرے کے پاس بیان نہیں کرتے۔ مگر بہت مجبور ہو جائیں کہ ایسی صورت میں فقط با اعتماد اور خاص افراد کے پاس ہی اپنا راز بیان کرتے ہیں۔ پس جو لوگ اپنی مشکلات ہر کسی کے سامنے فاش کرتے ہیں وہ در واقع پست ظرفیت اور بے صبر ہوتے ہیں۔ ہر کسی کے سامنے اپنی مشکلات اور مجبوریاں بیان کرنے کا سب سے بڑا نقصان یہی ہوتا ہے کہ انسان کی عزت نفس باقی نہیں رہتی۔ بلکہ لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے۔ اسی لئے امیر المومنین نے ایک جگہ فرمایا ہے:

سُؤرۃتیری آبرو، جمے ہوئے برف کی مانند ہے، مانگنے سے وہ پگھل جاتا ہے۔ پس خیال رکھیں کس کے سامنے پگھلا رہے ہو۔ سُؤرۃ

منبع :

نہج البلاغہ

مفردات راغب اصفہانی